ڈاکٹر اسرار احمد کا اسلوبِ تنقید اور اس کے مضمرات

Dr. Israr Ahmed's Style of Criticism and its Implications

*Muhammad Mahmood Raza
** Dr. Hafiz Abdul Majeed
*** Muhammad Saleem

Abstract

Dr. Israr Ahmad was a great teacher of the twentieth century, a Qur'anic thinker, a preacher of Islam and a revolutionary thinker on the subject of Iqamat-e-Din. In your lessons and books, there is a deep religious awareness and understanding, pain and anguish over the condition of the ummah. He worked all his life for the domination of Islam, first in Pakistan and then in the whole world. There can be no other opinion about their sincerity and understanding of religion, but in any period of history, no human being among the non-prophets has been exempted from error and criticism. Criticism in the scientific and research process does not mean insult or denigration at all, but the spirit of seeking truth is the goal. From this point of view, the sections of the society which Dr. Israr Ahmad criticized in his written or oral language during his revolutionary struggle have inevitably done critical work in some cases. Below is an overview of Dr. Israr Ahmad's views in the light of his criticisms wherever he criticized.

Key Words: Revolutionary, Iqamat-e-Din, Ummah, Criticism

تمہید

ڈاکٹر اسرار احمد بیسویں صدی کے عظیم مدرس قرآن، مبلغ اسلام اور داعی اقامتِ دین کے حوالہ سے انقلابی فکر کی حامل شخصیت تھے۔ آپ کے دروس اور کتب میں گہرے دینی شعور و فہم، امت کی زبوں حالی پر درد اور کرب کی کیفیات موجود ہیں۔ وہ اولین طور پر پاکستان اور پھر پوری دنیا میں غلبہ اسلام کے لیے زندگی بھر مصروفِ عمل رہے۔ ان کے خلوصِ نیت اور فہمِ دین

---

* Doctoral Candidate Islamic Studies,Gomal University D.I. Khan

** Assistant Professor of Islamic Studies and Arabic, Gomal University D.I. Khan

*** Doctoral Candidate Islamic Studies,Gomal University D.I. Khan

کے بارے میں دوسری رائے نہیں ہو سکتی، لیکن بہر حال تاریخ کے کسی دور میں غیر انبیاء میں سے کوئی انسان معصوم عن الخطاء اور تنقید سے منزہ و مستثنیٰ نہیں رہا۔ علمی اور تحقیقی عمل میں تنقید کا مطلب ہر گز توہین یا تنقیص نہیں ہوتا، بلکہ تلاشِ حق کا جذبہ، سچائی کی تلاش اور حقیقت کی جستجو مقصد ہوا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ڈاکٹر صاحب نے اپنی انقلابی جدوجہد کے دوران تحریری یا تقریری زبان میں سماج کے جن طبقات پر تنقید کی، اس میں بعض معاملات میں لامحالہ قابلِ نقد کام خود بھی کر گزرے ہیں۔ ذیل میں ڈاکٹر اسرار احمد نے جہاں جہاں نقد کیا انکی تنقیدات کی روشنی میں ان کی فکر کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

جماعت اسلامی سے علیحد گی و نئی اجتماعیت کا قیام

ڈاکٹر اسرار احمد کی انقلابی فکر اور ان کا عملی کام ان کی زندگی کا بنیادی مقصد اور نصب العین تھا۔ اصل کام اقامت دین ان کے پیش نظر تھا، اور اس کام کے لیے جماعت اسلامی کو چھوڑ کر ایک نئی جماعت کی بنیاد رکھی، اپنی کتاب "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں جس کے مطابق مسلمانوں کی تباہی اور ناکامی کی بنیادی وجہ قرآن کا چھوڑنا اور آپس کے اختلافات ہیں۔[1] لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی چھوڑ کر تنظیم اسلامی قائم کرنے سے اقامت دین کا کام کرنے والی جماعت اسلامی کی قوت میں اضافہ ہوا یا کمی واقع ہوئی؟ یعنی ڈاکٹر صاحب کی کاوشیں بظاہر تو افتراق کا باعث بنیں۔ حضرت شیخ الہند جو دو مسلمانوں کے انتشار اور افتراق کو امت کے حق میں سب سے زیادہ مضر سمجھتے ہیں، انہیں ڈاکٹر صاحب بیسویں صدی کا مجدد اعظم قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب خود ہی اس مضر عمل کا شکار ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ عمل کتنا ہی خلوص نیت پر مبنی کیوں نہ ہو، عملی دنیا میں اقامت دین کی منزل کو قریب کرنے کی بجائے اور دور کرنے کا باعث بنا۔ جماعت اسلامی سے علیحد گی کی جو وجوہات تھیں، مثلاً اس لیے کہ جماعت اپنے نصب العین سے دور ہو چکی تھی، یا سیاست کے میدان میں اترنے کے بعد ساری توجہ اس طرف مبذول کرلی یا جو بھی فکری انحراف یا مسئلہ تھا، اس کی بنیاد پر جماعت سے الگ ہونے کا فائدہ اسلامی قوتوں کو ملنے کی بجائے اسلام مخالف قوتوں کو پہنچا اور عمومی رائے یہی سامنے آئی کہ جو ارباب مذہب اپنی جماعت میں اتفاق رائے قائم نہیں کر سکتے وہ ملک و قوم کو اتفاق رائے سے کیسے چلائیں گے ؟ ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب عہد خلافت راشدہ کو دور رسالت ؐ کے بعد سب سے زیادہ مثالی اور لائق اعتبار قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف جماعت میں اختلاف رائے کے موقع پر صحابہ کی طرز پر اصلاح کی بجائے جماعت چھوڑنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

خلافت راشدہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق □ ؓ کی خلافت قائم ہونے کے چھ ماہ بعد حضرت علیؓ □ بیعت کرتے ہیں۔[2] حضرت سعد بن عبادہؓ حضرت عثمانؓ □ کے دور میں فوت ہوئے لیکن آپ نے تینوں خلفاء کی بیعت نہیں کی۔[3] حضرت ابوذر غفاریؓ □ کے بعض تفردات کی بنا پر حضرت عثمان □ ؓ نے ان سے مدینہ منورہ سے باہر کہیں رہائش اختیار کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ وہ ربذہ منتقل ہو گئے۔[4] خود حضرت علی □ ؓ کے ساتھ جنگ جمل اور جنگ صفین میں مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے جنگ کی لیکن ان تمام اختلافات کے باوجود خلفائے راشدین ہمیشہ بیعت نہ کرنے والے بلکہ جنگ کرنے والوں کو بھی اپنی جماعت سے خارج کرنے کی بجائے انہیں نظام خلافت کے تحت اختلاف رائے کا حق دیتے رہے، ان کی تنقید برداشت کرتے رہنے، ان کی خیر خواہی کے لیے ان سے مذاکرات اور مراسلات کا سلسلہ جاری رکھے رہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر

صاحب اس طرح کا طرز عمل اپنانے کی بجائے جماعت سے الگ ہو جاتے ہیں جب کہ اپنی اکثر تقاریر اور کتب میں اس حدیث پاک کا کثرت سے حوالہ دیتے ہیں: جو شخص جماعت سے ایک بالشت الگ ہوا، وہ جہنم میں گرا۔[5] پھر ڈاکٹر صاحب نے جماعت چھوڑ دی، لیکن جماعت نے ڈاکٹر صاحب کے اخراج کا فیصلہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر صاحب جماعت کے اندر رہتے ہوئے بھی اپنا ہر طرح کا احتجاج ریکارڈ کرواتے رہتے۔ اور اپنا حق احتجاج استعمال کرتے رہتے۔ حضرت ابوذرؓ، □ حضرت علیؓ □ اور حضرت سعدؓ □ کی طرح عدم تعاون کی بجائے جماعت کا حصہ رہتے ہوئے جماعت کی اصلاح کی کوشش کرتے رہتے۔ جماعت اسلامی کے دستور میں اس بات کی واضح طور پر گنجائش رکھی گئی کہ کوئی بھی رکن امیر جماعت یا مجلس شوریٰ جماعت کے فیصلے پر اعتراض کر سکتا ہے۔[6] جماعت پر تنقید و محاسبہ کی آزادی کو استعمال میں لاتے ہوئے اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی حد تک ضرور کوشش بھی کی لیکن اس کے باوجود انہوں نے جماعت کو چھوڑنے کا جو طرز عمل اپنایا، ان کا یہ طرز عمل خواہ کتنا ہی خلوص نیت سے ہو، بہر حال ایک اجتہادی غلطی تھی کہ جس پر ڈاکٹر صاحب نے زندگی بھر رجوع نہیں کیا۔ اور ایک الگ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔

اپنی ہر تقریر و تحریر میں ڈاکٹر صاحب خود کو قرآن حکیم کا ادنی سا طالب علم قرار دیتے ہیں۔ یہ ان کی کسر نفسی ہے کہ وہ ایک ماہر قرآن ہونے کے باوجود خود کو ادنیٰ طالب علم کہتے ہیں۔ اسی قرآن حکیم میں مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا [7] اے ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں، پھر اگر آپس میں کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لاؤ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو، یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔" اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اختلافات ہو سکتے ہیں۔ لیکن اختلاف کو قرآن و حدیث کی طرف لوٹایا جائے اور ان کا بہتر حل تلاش کیا جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اختلافات کی صورت میں جماعت کو چھوڑ کر الگ سے جماعتیں بنالی جائیں۔ قرآن کریم میں ہے: وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُوْلَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ [8] اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آچکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے۔ ایسے لوگوں کو سخت سزا ہو گی۔ وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ [9]
ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ [10] جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی جماعتیں بن گئے، تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر وہی انہیں بتلائے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔ ویسے یہ بھی حقیقت ہے کہ

ڈاکٹر اسرار کے اپنے نزدیک بھی اجتماعیت کو ترک کرنا عین جاہلیت ہے لیکن اس کے باوجود یہی طرز عمل انہوں نے اختیار کیا۔ اور اقامتِ دین کی داعی انقلابی جماعت سے الگ ہو کر اپنی ایک جماعت بنا لیتے ہیں ڈاکٹر صاحب کے اس عمل سے اسلامی فکر اور جذبہ اور درد و شعور رکھنے والے اصحاب کو ذہنی خلجان اور فکری انتشار کا شکار ہونا پڑا، بہر حال جماعت اسلامی کے حوالہ سے ڈاکٹر صاحب کی فکر کا جائزہ لیا جائے تو بات اس شعر پر آ کر ختم ہوتی ہے جس کا حوالہ ڈاکٹر صاحب اپنی تقاریر میں اکثر دیا کرتے ہیں:

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں ہے

اختلاف مع مذمتِ اختلاف

ڈاکٹر صاحب خود کو عالم دین نہیں سمجھتے تھے اور اپنے فقہی مطالعہ کو بہت ہی محدود قرار دیتے ہیں۔[11] لکھتے ہیں کہ اسلاف کی متفقہ رائے سے اختلاف انتہائی خطرناک ہے اور اس امر کو فتنوں کا سبب قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قادیانیت اور پرویزیت کا ناسور اسی طرح پیدا ہوا، جوشِ خطابت اور ولولہ قلم کی بنا پر ایسے الفاظ دوسروں کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ جسے کوئی اپنے لئے سننا یا برداشت نہ کرے۔ یعنی پرویزیت اور قادیانیت کے لیے ناسور کا لفظ استعمال کرنا اور فتنوں کا مقابلہ کرنے کے حوالے سے فرماتے ہیں: جب وہ فتنہ اپنی جڑیں زمین میں اتار لیتا ہے اور اس کی شاخیں پھیل جاتی ہیں، تب کچھ لوگ اپنی کلہاڑیاں اور تیشے لے کر آتے ہیں، لیکن اس وقت کچھ پیش نہیں جاتی، کیونکہ وہ فتنہ ایک مضبوط تناور درخت بن چکا ہوتا ہے۔[12] یہ پوری عبارت ایک جذباتی اور عدم طرزِ برداشت انداز کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اس عبارت کا پس منظر یہ ہے کہ وہ مسئلہ کلالہ پر جاوید احمد غامدی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے اختلافی بیان کے بارے میں یہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ تیشوں اور کلہاڑوں کے الفاظ کا استعمال علمی، دعوتی، تحقیقی اسلوب نہیں، جذباتی، عوامی اور خلافِ حکمت انداز ہے۔ اور ایسی بیسیوں مثالیں ڈاکٹر صاحب کی تقریروں اور تحریروں میں نظر آتی ہیں۔ اپنی تنظیم میں سخت نظم وضبط کا اہتمام کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہیے، کیونکہ تنظیمیں کمزور نظم وضبط کی وجہ سے تحلیل ہو جایا کرتی ہیں۔ لیکن جب خود ایک جماعت کے رکن تھے، اس وقت جماعت کے نظم کو پیش نظر نہیں رکھا اور ڈسپلن پر عمل کرنے کی بجائے جماعت کو چھوڑنا پسند کیا۔ صحت مند تعمیری اور جذبہ خیر خواہی کے تحت اختلاف ایک مثبت اور تعمیری عمل ہے، جس کے بغیر زندگی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ لیکن اختلاف رائے کی بنیاد پر ترکِ جماعت بہر حال ایک غیر تعمیری طرزِ عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس تلخ حقیقت کو محسوس کیا جانا چاہیے کہ اگر کسی بھی مذہبی یا غیر مذہبی جماعت کے کارکنان اور ممبران جماعت کے اندر رہتے ہوئے اصلاح کرنے کی بجائے ڈاکٹر صاحب کی طرح ترکِ جماعت کو ترجیح دیں تو پھر کوئی بھی سیاسی اور مذہبی جماعت استحکام کے ساتھ اپنا کام نہیں کر سکے گی جس کی عملی مثال ہمارے ملک میں فارورڈ بلاک بنانا، ہارس ٹریڈنگ کرنا اور پانچ سال تک بر سر اقتدار جماعت کے ساتھ رہتے ہوئے اقتدار کے آخری دنوں میں متوقع اقتدار میں آنے والی پارٹی میں شامل ہو جانا، اس جیسے نتائج ترکِ جماعت سے سامنے آتے ہیں۔ اسی کتاب کے صفحہ 353 پر لکھتے ہیں: کسی معتمد علیہ بزرگ کی تنقیص فتنہ ہے۔[13] اپنی اکثر تقاریر و تحاریر میں ایک طرف تو مولانا مودودی کو اپنا استاد، انقلابی رہنما، داعی انقلاب اسلامی، مفسر قرآن، مفکر اسلام جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور دوسری طرف ان پر

جذباتی حد تک تنقید و تنقیص کرتے ہیں۔ گویا کسی معتمد علیہ بزرگ کی تنقیص کو فتنہ سمجھتے ہوئے بھی خود اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ اسی طرح فرماتے ہیں: جو حضرات دین کے خادم ہیں، جو میدان میں آکر دین کی خدمت کر رہے ہیں، جن کے سامنے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیاء دین کی منزل ہے، انہیں تقلیدِ جامد سے نکلنا پڑے گا۔۔۔ اپنے قلب و ذہن کو کشادہ اور وسیع کیا جائے۔[14]

بلاشبہ یہ عبارت لائقِ تحسین ہے، لیکن جن حضرات سے ڈاکٹر صاحب اختلاف رائے رکھتے ہیں، ان کے متعلق اگر ذہن کشادہ فرماتے، جماعت کے اندر رہتے ہوئے جماعت کی خدمت کرتے تو یقیناً ڈاکٹر صاحب جماعت اسلامی کے مولانا مودودی کی طرح تاحیات امیر منتخب ہو جاتے اور جماعت کے اندر رہتے ہوئے جماعت کی بہتری اور اصلاح کا کام کرتے تو اقرب الی الحق تھا۔ سیکولر لابیز کو بھی اسلام کے خلاف یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ مولوی ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خود کو قرآن حکیم کا ادنیٰ طالب علم بھی قرار دیتے ہیں اور فقہی معاملات میں خود کو نیم مقلد بھی کہتے ہیں۔[15] خود کو قرآن کا ادنیٰ طالب علم کسر نفسی ہے جو کہ لائق تحسین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ قرآن کے ادنیٰ طالب علم نہیں، بلکہ اعلیٰ معلم ہیں۔ اور یہ بات محل نظر ہے کہ قرآن کا معلم فقہی مباحث اور تقلید میں خود کو کیسے محصور کر سکتا ہے۔ بہر حال ان تنقیدی نکات کے ساتھ ساتھ اسی کتاب کے صفحہ 363 کی یہ عبارت لائق تحسین ہے۔ فرماتے ہیں: میرا موقف یہ ہے کہ ہر وہ دعوت جو اقامت دین کو اپنا ہدف بنا کر کھڑی ہوئی ہو، اس کے لیے صرف وقتی تدبیر کے طور پر نہیں، بلکہ قلب کی گہرائیوں سے لازم ہے کہ علمائے حق کا اعتماد کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرے۔ میں دعوے کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ کوئی بھی شخص اُس وقت تک اُمت کے اندر دین کا کوئی موئثر کام نہیں کر سکے گا جب تک وہ ان علماء کا اعتماد حاصل نہ کرے جن کے متعلق اسے یہ یقین ہو کہ ان میں للّٰہیت ہے، خلوص و اخلاص ہے، تقویٰ ہے اور ان میں انانیت و نفسانیت نہیں ہے۔ چھوڑ دیجیے ان کو جو علمائے سوء ہیں، جن کو اپنی گدیوں کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، جنہیں یہ اندیشہ ہر وقت پریشان کیے رکھتا ہے کہ ہمارے گلے کی بھیڑیں ٹوٹ کر کسی اور کے گلے میں شامل نہ ہو جائیں۔ جہاں تک ہمارے علمائے حقانی کے اندیشوں اور خدشات کا تعلق ہے، اس کے اسباب تفصیل سے بیان کیے جا چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب بھی ان کے سامنے ان کے پورے احترام و ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا موقف پیش کیا جائے گا اور ان سے مستقل و مسلسل ربط و ضبط قائم رکھا جائے گا تو اِن شاء اللہ العزیز اُن کی تائید اور ان کی دعائیں ضرور حاصل ہوں گی۔[16] اس عبارت کا ایک ایک لفظ کسر نفسی، اخلاص اور مقصد سے وابستگی کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن پھر وہی سوال یہاں بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا مولانا مودودی عالمِ حق نہ تھے؟ اگر نہ تھے تو ڈاکٹر صاحب انہیں مجدد اور مفکر کیوں مانتے ہیں؟ اور اگر تھے تو ڈاکٹر صاحب ان سے اختلاف میں اس قدر آگے کیوں چلے گئے کہ جماعت سے ہی ناطہ توڑ لیا۔

کیا شیخ الہند مجدد تھے؟:

ڈاکٹر اسرار صاحب شیخ الہند مولانا محمود حسن (متوفیٰ:1920ء) کو مجدد قرار دیتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کا بہت ہی اچھوتا تفرد ہے۔ تجدیدِ دین کی تاریخ میں مولانا مودودی (تجدید واحیائے دین) سے لے کر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی (تاریخ دعوت وعزیمت) تک کسی نے حضرت شیخ الہند کو مجدد قرار نہیں دیا۔ حضرت شیخ کی راست گوئی، دینداری، علم، اخلاص، روحانیت اور

مثالی مرد مجاہد ہونے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی، لیکن بہر حال ڈاکٹر صاحب کا ان کو مجدد کہہ دینا محلِ نظر ہے۔

مولانا قاسمی ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب پاکستان کی مسلم جماعتوں کے بارے میں جو تبصرہ کرنا چاہیں، شوق سے کریں لیکن شیخ الہند □ جو موصوف کے نزدیک مجددِ وقت تھے، ان کی جماعت کے بارے میں تاریخ کا سنجیدہ مطالعہ فرما کر اظہار خیال فرمائیں تو بہتر ہے۔[17] مجدد کی تعریف کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں: "مجدد ایک لقب ہے جو کسی آدمی کو اس کے کارنامے کے لحاظ سے دیا جاتا ہے۔ ہمارے علم میں جس شخص نے بھی دین کو از سر نو تازہ کرنے کی کوئی خدمت انجام دی ہو، ہم اسے مجدد کہہ سکتے ہیں۔۔۔ حدیث میں "مَنْ" کا لفظ عربیت کے لحاظ سے اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ ضرور وہ کوئی ایک ہی شخص ہو۔ اس کا اطلاق متعدد اشخاص پر بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ کسی شخص کے مجدد ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ہر لحاظ سے مردِ کامل ہے اور اس کا کام نقائص سے پاک ہے۔ اسے مجدد قرار دینے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ اس کا مجموعی کارنامہ تجدیدی خدمت کی شہادت دیتا ہو۔۔۔ نبی کی طرح مجدد معصوم نہیں ہوتا۔[18] دار العلوم دیوبند کے اہل علم القاموس الوحید کے حوالہ سے مجدد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہر صدی کے اوائل میں پیدا ہونے والا وہ مصلح جو مسلمانوں میں مروج بدعات کی اصلاح کرتا ہے اس کو مجدد کہتے ہیں۔[19]

مولانا زاہد الراشدی اس حوالہ سے لکھتے ہیں: تجدید کا معنی یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوسائٹی اور افراد کے اعمال و اقدار میں غیر محسوس طریقہ سے کچھ اضافے ہوتے چلے جاتے ہیں،۔۔۔ اس طرح از خود اعمال و روایات کا حصہ بن جانے والی رسوم و بدعات کی نفی کر کے دین کی اصلی حیثیت اور ڈھانچے کو نکھارنے کا کام مجدد کے ذریعہ لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تکوینی طور پر اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔ مجدد پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے باقاعدہ مبعوث کیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک اور عالم بندے کو ایسی صلاحیت، فراست اور توفیق سے بہرہ ور کر دیتے ہیں جو یہ خدمت سر انجام دیتا ہے اور اس کی محنت اور جدوجہد سے اسے پہچان کر مجدد کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[20]

ان غیر جانب دارانہ حقیقی علمی تعریفات کی روشنی میں اگر پرکھا جائے تو شیخ الہند اپنی تمام تر علمی، روحانی اور دینی عظمت کے باوجود مجدد کی ان تعریفات پر کم ہی پورے اترتے ہیں۔ یہ ان کی گستاخی نہیں، بلکہ ان کے مجموعی کارنامہ حیات کو دیکھ کر ایک محتاط علمی رائے ہے، لیکن تقریباً اپنی تمام تقاریر و تحاریر میں ڈاکٹر صاحب ان کو مجدد قرار دیتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ تنظیم اسلامی اور دیوبند مکتب فکر میں کوئی تلفیق باہمی کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ لیکن اس طرزِ عمل میں شخصیت پرستی اور مجدد و تجدید دین کے حوالہ سے بعض بنیادی حقائق کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ مولانا مودودی □ کسی بھی مجدد کے کار تجدید کے حوالہ سے لکھتے ہیں: اس کی تجدید کے مختلف شعبے حسب ذیل ہیں:

1۔ اپنے ماحول کی صحیح تشخیص یعنی حالات کا پورا جائزہ لے کر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں کس حد تک سرایت کر گئی ہے، کن کن راستوں سے آئی ہے۔ اس کی جڑیں کہاں کہاں اور کتنی پھیلی ہوئی ہیں اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے۔

2۔ اصلاح کی تجویز، یعنی یہ تعین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے۔

3۔ خود اپنے حدود کا تعین یعنی اپنے آپ کو تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستہ سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں۔

4۔ ذہنی انقلاب کی کوشش، یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا، عقائد و افکار اور اخلاقی نقطہ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا، نظام تعلیم و تربیت کی اصلاح اور علوم اسلامی کا احیا کرنا اور فی الجملہ اسلامی ذہنیت کو از سر نو تازہ کر دینا۔

5۔ عملی اصلاح کی کوشش، یعنی جاہلی رسوم کو مٹانا، اخلاق کا تزکیہ کرنا، اتباع شریعت کے جوش سے کچھ لوگوں کو سرشار کر دینا اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں۔

6۔ اجتہاد فی الدین، یعنی دین کے اصول کلیہ کو سمجھنا، اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقائے دین کی سمت کا اسلامی نقطہ نظر سے صحیح اندازہ لگانا اور متعین کرنا کہ اصول شرع کے ماتحت تمدن کے پرانے متوارث نقشے میں کسی طرح رد و بدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح بر قرار رہے، اس کے مقاصد پورے ہوں اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلام دنیا کی امامت کر سکے۔

7۔ دفاعی جدوجہد، یعنی اسلام کو مٹانے اور دبانے والی سیاسی طاقت کا مقابلہ کرنا اور اس کے زور کو توڑ کر اسلام کے لیے ابھرنے کا راستہ پیدا کرنا۔

8۔ احیائے نظام اسلامی، یعنی جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی کنجیاں چھین لیا اور از سر نو حکومت کو عملاً اس نظام پر قائم کر دینا جسے صاحب شریعت علیہ السلام نے خلافت علی منہاج النبوۃ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

9۔ عالم گیر انقلاب کی کوشش، یعنی صرف ایک ملک یا ان ممالک میں جہاں مسلمان پہلے سے موجود ہوں، اسلامی نظام کے قیام پر اکتفانہ کرنا بلکہ ایک ایسی طاقت ور عالم گیر تحریک برپا کرنا جس سے اسلام کی اصلاحی و انقلابی دعوت عام انسانوں میں پھیل جائے، وہی تمام دنیا کی غالب تہذیب بنے، ساری دنیا کے نظام تمدن میں اسلامی طرز کا انقلاب برپا ہو اور عالم انسانی کی اخلاقی فکری اور سیاسی امامت و ریاست اسلام کے ہاتھ میں آجائے۔

ان شعبوں پر غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تین مدات تو ایسی ہیں جو ہر اس شخص کے لیے ناگزیر ہیں جو تجدید کی خدمت انجام دے، لیکن باقی چھ مدیں ایسی ہیں، جن کا جامع ہونا مجدد ہونے کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ جس نے ایک، دو، تین یا چار شعبوں میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا ہو وہ بھی مجدد قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس قسم کا مجدد جزوی مجدد ہوگا، کامل مجدد نہ ہوگا۔ کامل مجدد صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثت نبوت کا حق ادا کر دے۔[21]

اس محتاط اور معتدل معیار مجدد کے حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند بظاہر اس سطح کے آدمی نہیں تھے۔ تاہم ان کا اخلاص، امت کی دردمندی اور اغیار کی سازشوں کے سمجھنے کی عقلمندی یقیناً ان کے فراست ایمانی کا ثبوت ہے۔ تاہم انہیں مجدد کہہ دینا محل نظر ہے۔ "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" 619 صفحات پر مشتمل کتاب کا مرکزی عمود اور ستون شیخ الہند کو مجدد قرار دینا ہے۔ جو بہر حال ایک علمی، تحریری اور تقریری اسلوب تو ہو سکتا ہے، تحقیقی اور حتمی فیصلہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

عدم جماعت سازی پر سرسید و اقبال کی تحسین:

سر سید سے علمی اختلاف کے باوجود ڈاکٹر صاحب سر سید کو اس بات پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے کوئی جماعت نہیں بنائی، لکھتے ہیں: "سر سید نے پندرہ پاروں کی تفسیر لکھی اور اس میں طرح طرح کے فتنے اٹھائے۔ لیکن تفسیر قرآن میں ان گمراہانہ باتوں کے باوجود ایک اچھی بات سر سید احمد خان کے حق میں جاتی ہے کہ انہوں نے نہ تو کوئی دینی جماعت بنائی اور نہ ہی کسی دینی فرقہ کا آغاز کیا۔"[22] اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاویل کی بنا پر پیدا ہونے والے اختلافات کو گمراہ کن کہنے کے باوجود ڈاکٹر صاحب سر سید کی تعریف کرتے ہیں اور امت میں ایک نئی جماعت نہ بنانے کے عمل کو پسندیدہ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح علامہ اقبال کی بھی تحسین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: اگرچہ بیسویں صدی عیسوی میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید اور احیاء کا سہرا تمام تر علامہ اقبال کے سر ہے، تاہم انہوں نے اپنی عملی مساعی کو صرف مسلمانانِ ہند کی اس قومی تحریک کی تائید اور تقویت تک محدود رکھا جو سر سید احمد خان مرحوم کے مکتب فکر کے تحت شروع ہوئی تھی، اور خود اسلام کے احیاء اور غلبے کی براہِ راست جدوجہد کے لیے نہ کسی تحریک کا آغاز کیا نہ کوئی جماعت بنائی۔ البتہ اس حقیقت کو نگاہوں سے ہر گز اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے کہ حضرت علامہ نے اپنے 1930ء کے خطبہ الٰہ آباد کے ذریعے مسلمانانِ ہند کی متذکرہ بالا قومی تحریک کو ایک معین سمت اور واضح منزل کا شعور عطا کر کے اس میں صرف نظریاتی ہی نہیں "احیائی" رنگ کی آمیزش بھی کر دی تھی۔[23] لیکن خود ڈاکٹر صاحب جماعت سازی کا عمل اپنا حق سمجھتے ہیں۔

امیر و مامور کے باہمی تعلق کی رائے پر نقد:

"امیر مامور کا باہمی تعلق قرآن و سنت کی روشنی میں" 104 صفحات پر مشتمل ڈاکٹر صاحب کی یہ کتابچہ دفتر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور سے جون 2014 میں شائع ہوا۔ اس کے صفحہ 18 پر سورہ انفال کی آیت نمبر 46 کے حوالے سے لکھتے ہیں: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ [24] اب یہاں لفظ تنازع آگیا ہے کہ جھگڑا مت کرو۔ کھینچ تان مت کرو۔ اگر یہ کرو گے تو کیا ہو گا؟ تو تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ فشل کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا ڈھیلا پڑ جانا۔ کسا ہوا نظم کے مقابلہ میں ڈھیلا نظم کا ہونا، یعنی اب اس کا چاق و چوبند والا معاملہ نہیں رہا۔ بعض تراجم میں فَتَفْشَلُوا کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ "تم نامرد ہو جاؤ گے۔" اس لفظ کی اس حوالے سے بڑی مناسبت ہے۔ یہاں نظم کا ڈھیلا پڑنا مراد ہے، جس کی طرف یہاں اشارہ ہو رہا ہے کہ اگر تم نے کھینچ تان شروع کر دی، اگر یہ تمہاری عادت ثانیہ بن گئی تو تمہاری ہمت ختم ہو جائے گی، تم پر نامردی سوار ہو جائے گی اور تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ "تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی" یعنی کفار و مشرکین پر سے تمہاری دھاک ختم ہو جائے گی۔ تمہارا رعب اور دبدبہ ختم ہو جائے گا۔ یہ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا نتیجہ نکل رہا ہے۔ گویا کہ اس تنازع کی منفی کیفیت یہ ہے جس سے یہ نتائج رونما ہوں گے۔ اور یہ جان لو کہ اصل میں جماعتی نظم کا ڈھیلا پڑنا اس مقصد کو نقصان پہنچانے کا سبب بن جائے گا، جس کے لیے جماعت قائم ہوئی تھی۔ جماعت تو کسی مقصد کے لیے قائم ہوتی ہے۔ جماعت بذات خود تو مطلوب نہیں ہے۔ وہ فی نفسہٖ مطلوب شے نہیں ہے۔ کسی مقصد کے لیے ہے۔ تو تمہارا ڈھیلا پڑ جانا اور تمہاری ہوا کا اکھڑ جانا، اس کا نقصان اس مقصد عظیم کو پہنچے گا جس کے لئے تم نے وہ اجتماعیت اختیار کی اور اسے قائم کیا۔ آگے فرمایا: "اور صبر کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" اس میں صبر کا ایک پہلو اور بھی ہے کہ

اطاعت امر کے لیے صبر کی ضرورت ہے۔ ایک صبر ہے مخالفین کے مقابلے میں ڈٹے رہنا اور ایک صبر ہے ایذا پر۔ لیکن صبرعن الطاعۃ اور صبرعن المعصیۃ بھی صبر کی قسمیں ہیں۔ معصیت اور نافرمانی سے اپنے آپ کو روکنا بھی صبر ہے۔ اور اطاعت پر کاربند رہنا بھی صبر ہے۔ اس صبرعن الطاعۃ اور صبرعن المعصیۃ کے لیے بھی وہی chain ہو گی یعنی اللہ کی اطاعت پر صبر اور اللہ کی معصیت سے صبر، رسول ﷺ کی اطاعت پر صبر اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے صبر۔ اسی طرح اولی الامر کی اطاعت پر صبر اور اولی الامر کی نافرمانی سے صبر۔ ایک چیز سے اپنے آپ کو روکنا صبر ہے اور ایک چیز پر اپنے آپ کو جمانا صبر ہے۔ چنانچہ یہاں دراصل اطاعت پر صبر کا حکم ہے۔ اور اطاعت میں وہی تین کڑیاں پیش نظر رہیں گی: "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے صاحب امر کی"[25] اگرچہ لفظ "صبر" عام ہے، لیکن درحقیقت یہ اسی صبرعن المعصیۃ کی طرف اشارہ ہے اور اسی کی منفی شکل ہے صبرعن المعصیۃ۔ اطاعت اور معصیت پر صبر کا اولین استحقاق اللہ کا ہے، اس کے بعد رسول کا ہے اور پھر تیسرے درجے میں وہ صاحب امر آتے ہیں جو اہل ایمان میں سے ہوں۔[26] اس عبارت کا جائزہ لیا جائے تو اس کتابچہ کی درج بالا عبارت قرآن وسنت سے ماخوذ ہے اور ڈاکٹر صاحب کا یہ مستقل اسلوب ہے کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہی بات کرتے ہیں اور بات سمجھاتے ہیں، لیکن ہر دور کے کچھ بنیادی تقاضے ہوتے ہیں۔ موجودہ دور مغربی تہذیب وفلسفے اور مغربی سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے، جس میں اہمیت عقل عطا کرنے والے خدا کی ہے بھی نہیں، بلکہ عقل کی بھی ہے۔ متوازن رائے یہ ہے کہ جس طرح انکار خدا سے انکار کائنات اور انکار ذات کی نفی ہوتی ہے، اسی طرح انکار عقل سے بھی بہت سے خدائی احکام کی نفی ہو سکتی ہے۔ لہذا خدا کو خدا کے مقام پر اور عقل کو عقل کے مقام پر رکھنا ہی شریعت کا اصلی مزاج ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی درج بالا عبارت سے امیر ومامور کے تعلق کی جو عکاسی ہوتی ہے اگرچہ اس کی جھلک ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں اس وقت نظر نہیں آتی جب وہ مامور اور مولانا مودودی امیر تھے، اس وقت التزام جماعت اور اطاعت امیر کے موضوع پر وہ اس قدر عمل پیرا نہیں تھے، جس قدر انہوں نے تنظیم اسلامی کا امیر بننے کے بعد اس پر زور دیا۔

تصوف پر ڈاکٹر صاحب کی تنقید کا تنقیدی جائزہ

تصوف روزِ اول سے ہی ایک مختلف فیہ امر ہے۔ اس کے بارے میں اہل علم کی آراء افراط و تفریط کا شکار رہی ہیں۔ مخالفینِ تصوف، تصوف کو عین گمراہی قرار دیتے ہیں۔ اس میدان میں متوازن آراء بہت کم ہیں۔ حضرت مجدد اور شاہ ولی اللہ کی آراء متوازن ہیں، بجائے اس کے کہ تصوف پر ٹھیک رائے شریعت کی روشنی میں قائم کی جائے، اس پر توجہ دینے کی بجائے مخالفین وحامیانِ تصوف میں گویا ایک ذاتی اور انتقامی مباحث شروع ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار کا نقطہ نظر کافی حد تک معتدل اور متوازن ہے۔ ان کا 42 صفحات پر مشتمل ایک مختصر سا پمفلٹ "مروجہ تصوف یا سلوک محمدی ﷺ؟ یعنی احسانِ اسلام" تنظیم اسلامی، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور سے اکثر وبیشتر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس کتابچہ میں تصوف کا موضوع، اصطلاحِ تصوف کے مآخذ، کتاب وسنت کے حامیوں کا تصوف سے عدم التفات، تصوف کا منصوص ومسنون طریقہ، تقویتِ روح، حصولِ ایمان کے ذرائع، تہذیب وتزکیہ نفس اور سلوک محمدی سے انحراف کے اسباب، قرآن اور جہاد سے دوری جیسے موضوعات پر خطابی اور جذباتی اور کسی حد تک علمی اور حقیقی اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ آخر میں وہ اس کا علاج بھی تجویز کرتے

ہیں۔ صفحہ 21 پر تحریر الروح یعنی روحانی آزادی کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس نئی اصطلاح "تحریر الروح" کے جو معانی میں نے بیان کیے ہیں، یعنی ایک آزاد کرنا اور دوسرے حرارت پہنچانا، تو اس عمل کا منطقی نتیجہ وہ ہے جسے حکیم فلاطینوس (Plotinus) نے نہایت خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے، یعنی Flight of the alone to the Alone، درحقیقت ہماری روح بھی بلا تشبیہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرح انتہائی تنہا ہے۔ روح کا کسی سے کوئی رشتہ نہیں۔ روح کسی کی باپ ہے، نہ کسی کا بیٹا، نہ کسی کا شوہر، نہ کسی کی بیوی۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جدید فلسفے میں بھی وجودیت کے حوالے سے "کرب" کا لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ جو شخص بھی ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے بلند ہونا شروع ہوتا ہے، اس میں تنہائی کا احساس بڑھنے لگتا ہے، گویا جتنا اس کے اندر تنہائی کا احساس شدید ہوگا، اسی قدر وہ حیوانی سطح سے بلند ہوتا جائے گا۔[27] یہ پیرا گراف ڈاکٹر صاحب کی ذاتی رائے ہے۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کا تخصص اور میدانِ محنت طب ہے، یا پھر اقامت دین اور اسلامی انقلاب کا موضوع ہے لیکن وہ اپنے اصل میدان جس کے وہ سند یافتہ ہیں، اس سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے ان شعبوں اور علمی شاخوں سے بحث مباحثہ فرماتے ہیں کہ جس شعبے کے وہ باقاعدہ مردِ میدان نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ تصوف کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے علمی اور عقلی لحاظ سے معتدل و متوازن ہو، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ ایک غیر قانون دان اپنی ذاتی صلاحیت کی بنیاد پر قانونی معاملات میں اپنی رائے کو ماہرینِ قوانین سے بہتر اور اعلیٰ سمجھے اور پھر اسے دوسروں پر لاگو کرنے کا عندیہ بھی دے۔ تو یہ طرزِ عمل غیر عقلی اور ہر سماج کے عرفِ عام کے برعکس قرار پائے گا۔ تحریر الروح کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے فلسفہ وجودیت کے حوالہ سے استعمال ہونے والے لفظ "کرب" پر ہی اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ کرب سے مراد علمی برتری کے ساتھ انسان کی ذہنی تنہائی ہے۔ اور یہ ذہنی تنہائی اسے حیوانی سطح سے بلندی پر لے جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس بیان کا تعلق غالباً صوفیا کے مراقبہ سے ہے۔ صوفیا کرام مراقبہ کی حالت میں ماسوا سے بے نیاز اور بے دھیان ہو کر جس طرح خود کو حقیقت الحقائق کی دنیا میں لے جاتے ہیں، اس طرح وہ اپنے ذہنی کرب کا علاج کرتے ہیں۔ حیرت ہے کہ ایک طرف تو تصوف کے مروجہ کئی تصورات امت میں بے عملی اور بہت سے غیر شرعی اعمال و اصطلاحات کا ذریعہ بن رہے ہیں اور دوسری طرف غلبہ دین کے داعی (ڈاکٹر اسرار احمد) اسی موضوع پر نئے مباحث شروع کرتے ہیں۔ اپنے مخاطبین کا ذہن اقامتِ دین سے کچھ دیر کے لیے ہٹا کر اسی خیال و خواب کی دنیا میں لے جاتے ہیں جسے مروجہ تصوف کہا جاتا ہے۔ صفحہ 12 پر ڈاکٹر اسرار صاحب محمد بن عبد الوہاب اور ان کے فلسفۂ تصورِ دین کی تعریف کرتے ہیں۔[28] تاریخِ اسلام میں محمد بن عبد الوہاب ایک متنازعہ فیہ شخصیت ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اگر ان کو محمد بن عبد الوہاب جیسے حالات میں بدعت کے خاتمے اور سنت کے احیاء کے لیے کام کرنا پڑتا اور وہ اپنے کام میں مخلص اور ماہر بھی ہوتے تو ممکن ہے کہ وہ محمد بن عبد الوہاب سے زیادہ قاطع بدعت بنتے اور مذہب کے نام پر غیر مذہبی رسومات کو فروغ دینے والوں کے خلاف قلمی جہاد کرتے۔ اس لیے محمد بن عبد الوہاب کی شخصیت پر اس وقت رائے دینا ہمارا موضوع نہیں، لیکن یہ ایک بہت بڑی زمینی حقیقت ہے کہ محمد بن عبد الوہاب کے فکر و فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی آلِ سعود کی حکومت مجموعی طور پر عالمِ اسلام اور دینِ اسلام کے لیے کس قدر مفید یا غیر مفید ماضی میں ثابت ہوتی رہی اور اب تک صورتحال کیا ہے۔ اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی

رائے تصوف کے بارے میں تقریباً محمد بن عبد الوہاب جیسی ہے۔ لیکن وہ پاکستان میں محمد بن عبد الوہاب مخالف ماحول کا ادراک بھی رکھتے ہیں، اس لیے کھل کر اس کا اظہار نہیں فرماتے۔ تصوف میں تسخیرِ ذات اور سلوک الی اللہ کے ذریعہ قربِ الٰہی کی منزل کو تو تلاش کیا جاتا ہے، لیکن یہ تصوف اسی لیے عوام الناس کی بجائے چند چنیدہ افراد کے ہاں ہی مقبولیت رکھتا ہے۔ تصوف ہو یا فقہ اسلامی، اس میں قرآن حکیم کی حلال و حرام کی چند آیات کی بنیاد پر تو طویل مباحث کیے جاتے ہیں، لیکن تسخیرِ کائنات کی سینکڑوں آیات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ تصوف کے اسی طرزِ عمل پر علامہ اقبال نے سخت تنقید کی ہے، علامہ اقبال ڈاکٹر صاحب کے پسندیدہ مفکر ہونے کے باوجود ڈاکٹر صاحب ان کی تصوف پر تنقید کو اپنے اس کتابچہ میں کم ہی نقل فرماتے ہیں۔

تبلیغی جماعت سے متعلق رائے کا تجزیہ

ڈاکٹر صاحب جزوی طور پر تبلیغی جماعت کے کام کو اچھا سمجھتے ہوئے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک تو قرآن کے بجائے تبلیغی نصاب پر انحصار جس میں کمزور اور موضوع روایات بھی ہیں، درست نہیں۔ دوسرے اسلام کے ایک جزو عقائد و عبادات کی تبلیغ کرنا اور اسلام کو ایک نظام کے طور پر پیش نہ کرنا غلطی ہے۔[29] اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں کو بھی صرف افراد کی اصلاح تک محدود کہہ کر اس کی اہمیت کو تسلیم کرنے سے گریز کیا ہے۔ لیکن کیا ایک صالح معاشرہ صالح افراد کے بغیر وجود میں آسکتا ہے؟ یہ غلبہ دین کی پہلی منزل ہے۔ اسی طرح علمائے مدارس کی تعلیمی سرگرمیوں کا معاملہ ہے۔ اس حلقہ کی جدوجہد ایک صالح معاشرے کے لئے دین کے معلم، امام، قاضی اور داعی تیار کرنا ہے۔ دراصل اس تنقید کے پیچھے ڈاکٹر صاحب کا تصور جہاد ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مکہ میں 13 سال جہاد کیا اور مدینہ میں 10 سال جہاد و قتال کیا۔ ان کے اس موقف کی غلطی یہ ہے کہ یہاں جہاد کے لفظی معنی مراد لے لیتے ہیں، حالاں کہ جہاد شروع مدنی زندگی میں ہوا تھا، مکی زندگی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کی گئی، ڈاکٹر صاحب نہی عن المنکر سے مراد مسلح جدوجہد یا قتال یا کم سے کم ایک جماعت بنا کر ایک سیاسی نظام کے لئے جدوجہد مراد لیتے ہیں۔

ہر شخص کے لئے عربی سیکھنا لازم

ڈاکٹر صاحب کہتے کہ ہر شخص کے لئے اتنی عربی آنا لازم ہے کہ وہ قرآن سمجھ سکے۔[30] لیکن یہ رائے ان کی اس لئے درست نہیں کہ اصل مقصد قرآن سمجھنا ہے چاہے وہ کسی ترجمہ سے سمجھے، اگر ہر شخص عربی میں استعداد پیدا بھی کر لے تو وہ پھر بھی قرآن فہمی کا دعوی نہیں کر سکتا، کیوں کہ ہر پڑھا لکھا شخص عربی میں اس قدر مہارت نہیں پیدا کر سکتا کہ اب وہ ترجمہ یا کسی استاد سے بے نیاز ہو جائے۔

فقہی آراء

ڈاکٹر صاحب مزارعت اور مضاربت کو بھی درست نہیں سمجھتے، مزارعت پر امام ابو حنیفہ کے فتوی پر اکتفا کرتے ہیں اور اس کو ربوا کہتے ہیں، اور مضاربت کو طلاق کی طرح ناپسندیدہ سمجھتے ہیں، اسی طرح جب ان سے قسطوں پر اشیاء بیچنے اور اس پر زائد منافع لینے کے بارے سوال کیا گیا تو ان کا کہنا تھا یہ میرے نزدیک سود ہے۔[31]

حالانکہ اقساط پر کاروبار کو علماء سود نہیں کہتے۔

ایمانی جذبے کا اظہار

ڈاکٹر صاحب کا فکر و عمل، دعوت، منہجِ دعوت اور پورے کارنامہ حیات میں انسانی سطح پر خامی، خلا، غلطی رہ جانے کے باوجود ان کا صحت مند مجموعی فکر امت کے لیے ان کی فکری اور دردمندی یقیناً لائق ستائش اور قابلِ تحسین ہے۔ جہاں ان کی تنقیدات کا جائزہ لیا جانا چاہیے، وہاں دینِ مبین اور امتِ مسلمہ کے لیے ان کی دردمندی اور دلی تمنائیں بہت اعلیٰ اور اسلامی جذبہ نصیحت کے مطابق ہمیں نظر آتی ہیں۔ "جماعت شیخ الہند" کے صفحہ 366 پر اپنے ایک خطاب کے آخر میں اپنے جس دینی درد اور جذبے کا اظہار کرتے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ اسے سراہا جائے اور اسے من وعن نقل کیا جائے، جو درج ذیل ہے: میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں، آپ بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بھی اب تک خیر کی توفیق بخشی ہے، وہ اسے شرفِ قبولیت بھی عطا فرمائے اور دوسرے لوگوں کو بھی ہمت دے کہ وہ میرے ساتھ جڑ کر اور میرے دست و بازو بن کر یہ کام کریں اور اس کے لیے ان کے دلوں کو انشراح عطا فرمائے۔ یہ نہیں تو ان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ صحیح نہج پر دین کا کام کریں۔ یہ صرف میرا کام نہیں ہے، یہ ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی اور سرفرازی کے لیے اپنا تن، من، دھن لگائے۔ اللہ ایسے تمام لوگوں کی مساعی کو مشکور فرمائے۔ اگر ہمارے دلوں میں خلوص ہو اتو آج نہیں تو کل ہم جمع ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے کسی کے بارے میں اس وقت کوئی اندیشہ ہو، کسی کو میرے بارے میں خدشات ہوں، تو اپنی اپنی جگہ خلوص واخلاص اور خشیتِ الٰہی کے ساتھ کام کریں گے تو ہم یہاں جمع نہ بھی ہو سکے تو دین کی جو بھی صحیح خدمت ہو گی اس کے اثرات اِن شاء اللہ مستقبل میں ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور آخرت میں تو ہم سب کو بالآخر جمع ہونا ہی ہے: اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ[32]

لیکن یہ تمام تر دردمندی ہوشمندی کے بھی متقاضی ہے، اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب پر رحم کرے ان کا مجموعی کارنامہ اس درجے کا ہے کہ ان کی تنقیدات پر یہ تنقید صرف تحقیقی تقاضوں کی تکمیل کے لیے کی گئی ہے۔ یقیناً وہ اللہ کے ہاں اپنی اچھی نیت اور اچھے عمل کا اچھا پھل پائیں گے۔

خلاصہ بحث

تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد کی طرف سے کی گئی بعض تنقیدات پر خالص غیر جانبدانہ انداز سے تجزیہ ونقد پیش کرنے کی کوشش کی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اگرچہ خود قرآن کے ذریعے بڑی سختی سے امت کو جوڑنے کی بات کرتے تھے لیکن اس کے باوجود اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت سے بعض وجوہات کی بنیاد پر علیحدگی اختیار کر کے اتحاد کی بجائے دین پسند افراد میں ذہنی انتشار پیدا کیا۔ اگرچہ ڈاکٹر اسرار احمد نے سر سید احمد خان و علامہ اقبال کے جماعت سازی نہ کرنے کے طرز عمل کو تو خوب سراہا لیکن خود ایک نئی اجتماعیت کی بنیاد بھی رکھ دی۔ اگرچہ اس کو ایک اچھے طریقہ سے چلایا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دین پسند طبقہ تقسیم ہوا۔ اسی طرح تبلیغی جماعت اور مختلف علماء پر بھی ان کے کام کے انداز میں نقد کی، لیکن شیخ الہند مولانا محمود حسن کو مجدد قرار دے دیا۔ تصوف کے موضوع پر بھی اپنا نقطہ نظر پیش کیا جو کافی حد تک معتدل تھا۔ اس کے علاوہ تحریک کے اندر امیر و مامور کے باہمی تعلق کے پر انتہائی مستحکم قسم کے دلائل بھی پیش کئے، اگرچہ جماعت اسلامی کا جب تک حصہ رہے تب تک اس موضوع کی اہمیت کا یا اندازہ نہیں تھا یا شائد جماعت چھوڑنے کے بعد اس کی

طرف توجہ زیادہ ہوئی۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب کے ایمانی جذبہ واقامت دین کی جدوجہد کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنا یقیناً لائق تحسین و قابل تعریف ہے۔ اپنی تمام تر بشری کمزوریوں کے ساتھ ڈاکٹر صاحب اس وقت اللہ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی مساعی وجدوجہد کو قبول فرمائے اور ان کی آگے کی منازل آسان فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

References

[1] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, (Lahore: Markazai Anjuman khuddam ul Quran, 2013AD) 333.

[2] Sahih Bukhari, *Kitab ul Magazi, Bab Gazwah e Khaibar,* Hadees:4240.

[3] Abdullah bin Muslim ibn Katibah, *Al.imam wa Al.siasah,* (Egypt: Mutbah Alneel be.share Muhammad Ali badrab almanjma, 1320 Hijri)

[4] Sahih Bukhari, *Kitab ul Zakat, Bab Ma adri zakat falaisa Bknz*, Hadees: 1406.

[5] Sanan Tarimzi, *Abvab Alfitan, Bab Ma jaa fi lazoom aljama,* Hadees: 1267.

[6] Shoba Tanzeem, Jamat Islami (Muratib), *Dastoor Jamat e Islami Pkistan,* (Lahore: Islamic Publications, 2013AD) 59.

[7] Al.Nisa 4: 59.

[8] Al.Imran 3: 105.

[9] Al.Imran 3: 103.

[10] Al.Inam 6: 159.

[11] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, 350,351.

[12] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, 349.

[13] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, 353.

[14] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, 354.

[15] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, 357.

[16] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, 363.

[17] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, 417.

[18] Sayyed Abul alla Maodudi, *Tajded o Ahya e Deen,* (Lahore: Islamic Publications, 2010AD) 101,102.

[19] https://darulifta-deoband.com/home/ur/islamic-beliefs/36284 Accessed Feb 03, 2021.

[20] Moulana Zahid ul Rashdi, Tajdeed aur Tajadud mai bunyadi farq, Daily Islam, 06-06-2017. http://zahidrashdi.org/1212, Accessed Feb 03, 2021.

[21] Sayyed Abul alla Maodudi, *Tajded o Ahya e Deen,* 37,38.

[22] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, 338-340.

[23] Dr. Israr Ahmad,*Barsageer Pak o Hind ma Islam ky inqlabi Fikr ki tajded o tameel aur is sy inharaf ki Raheen,* (Lahore: Markazai Anjuman khuddam ul Quran, 1995AD) 46.

[24] Al.Anfal 8: 46.

[25] Al.Nisa 4: 59.

---

[26] Dr. Israr Ahmad, *Ameer Mamoor ka bahmi Talok Quraan o Sunnat ki roshni ma,* (Lahore: Tanzeem e Islami, Allama Iqbal Road, Garhi Shahu, 2014AD) 18.

[27] Dr. Israr Ahmad, *Murawja Tasawuf ya Salook e Muhammadi? Yani Ihsan e Islam,* (Lahore: Tanzeem e Islami, Allama Iqbal Road, Garhi Shahu) 21.

[28] Dr. Israr Ahmad, *Murawja Tasawuf ya Salook e Muhammadi? Yani Ihsan e Islam,* 12.

[29] Dars. Answer Question, "https://www.youtube.com/watch?v=NVuac_ZKQG4" Accessed by April 03, 2021

[30] Dr. Israr Ahmad, *Musalmanu par Quraan Majeed ky Haqooq,* (Lahore: Markazai Anjuman khuddam ul Quran, 2006AD) 27.

[31] Dr. Israr Ahmad, Islam ka Moashi Nizaam, (Lahore: Markazai Anjuman khuddam ul Quran, 1985AD) 27, 28.

[32] Dr. Israr Ahmad, *Jamat Shaikh ul Hind aur Tanzeem e islami*, 366.